اسلامی نظامِ معیشت میں اخلاقی اقدار کا عصری جائزہ

نایاب گل☆

اسلام ایک فطری مذہب ہے۔اس نے انسانی ضرورت کے تمام تر پہلوؤں کا پوری طرح خیال رکھا ہے۔عبادات کے مقدس فریضہ سے لے کر لین دین کے معاملات تک تمام بنی نوع انسان کی رہنمائی کی ہے۔انسان کو معاشرتی زندگی میں بالخصوص معیشت سے ہر روز ہی واسطہ پڑتا ہے۔اسلام نے اِن ضروریات کی نفی کرتے ہوئے اُسے مجبور اور محدود کر دینے کی بجائے نظامِ معیشت کی اہمیت کو برقرار رکھا، مگر ساتھ ہی ساتھ بہتر اور محفوظ بنانے کے لیے اپنا نظام پیش کیا۔اسلام کا پیش کردہ نظامِ معیشت اخلاقی رذالتوں سے پاک اور تہذیب اخلاق سے آراستہ ہے۔جس میں بالخصوص ایک انسان سے دوسرے انسان کو پیش آنے والے ضرر، غبن، دھوکا، فساد یا جھگڑے کی صورت میں مختلف پابندیاں عائد کی گئی ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ دیانت، امانت اور سچائی جیسی بلند صفات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اپنانے کا حکم دیا۔اسلامی نظامِ معیشت کا یہ جمال ہے کہ ضابطۂ اخلاق کی چار دیواری سے اِسے اخلاقیات کی ایک فصیل عطا کی ہے۔جسے ہر دور کے افراد اپنا کر نا صرف اپنے معاملات میں خود محفوظ رہ سکتے ہیں، بلکہ اسلام کے دیئے ہوئے اس نظام کی بدولت پوری دنیا میں ممتاز و اشرف قرار پا سکتے ہیں۔

معاشیات عربی زبان کے لفظ ''عیش'' سے نکلا ہے۔جس کے معنی ''زندہ رہنے'' کے ہیں۔عرفِ عام میں حصولِ دولت کے ذرائع اور صرفِ دولت کے لیے رائج طریقوں کے علم کو معاشیات کہا جاتا ہے۔ہر دور میں مختلف تبدیلیوں کے باعث وسائل بھی تبدیل ہوتے ہیں۔بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے صرفِ دولت کی ضرورت و اہمیت تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔قرآن کا یہ امتیاز ہے کہ اس کی تعلیمات ہر دور، ہر شخص کے لیے یکساں طور پر ہیں۔قرآن و سنت کی تعلیمات میں اسبابِ معیشت و حصولِ معاش کیلئے آج سے 1400 سال قبل جو ذکر کر دیا گیا ہے۔آج کے جدید معاشی نقطہ ہائے تحقیق سے کسی طور بھی کمتر نہیں بلکہ اخلاقی اعتبار سے، اور اپنے دیرپا نتائج کے حوالے سے دنیا کا کوئی نظامِ معیشت اسلام کے ہم پلہ نہیں۔یہ اسلام سے نہ صرف جذباتی وابستگی کی وجہ سے ہے بلکہ اس پر تاریخی و تحقیقی شواہد موجود ہیں۔مقدمہ ابنِ خلدون میں مرقوم ہے:

"أنّ المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرّزق والسّعي في تحصيله"[1]

''معاش رزق کی تلاش اور اس کے حصول کی کوشش کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''

☆لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، سپیریئر کالج، کینال کیمپس، لاہور

دراصل معاشی زندگی اس جدوجہد کا نام ہے جو انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دولت کمانے اور خرچ کرنے سے متعلق ہے۔اس سلسلے میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امین و نگران بنایا گیا ہے۔تاکہ اس طرح شریعت کے مقررہ منہج کے مطابق مزدور اور معاشرہ کی (معاشی) حاجات کی تکمیل ہو۔

Encyclopaedia of Social Sciences tells about:

"Economics deals with a social phenomenon centre about the provision for the material needs of an individual and the organized groups."[2]

انسان کے ذرائع معاش محدود ہیں، جبکہ خواہشات لامحدود ہیں۔لازم ہوگا کہ وہ مقاصد کے حصول کے لیے اِن ذرائع کو اِس طرح استعمال کرے کہ اِن سے اشرف المخلوقات زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کر سکیں۔جس سے شخصی و خانگی فلاح کا حصول ممکن ہو سکے۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر حلال معاش کی ترغیب ارشاد فرمائی حتیٰ کہ اسے اپنا فضل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُم [3]

"تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔"

زمانۂ جاہلیت کے غلط اعتقادات میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ وہ خیال کرتے تھے کہ حج کے دوران تجارت کرنا ناجائز ہے اور اسے خلوصِ عمل کے خلاف سمجھتے تھے۔اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہوا کہ اصل مقصد حج ہی ہو،اور جو بھی حج کے دوران تجارت کرنا چاہتا ہے مناسکِ حج کے دوران خلل واقع نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔حضورِ کونین ﷺ نے اسلام سے قبل تجارت کی اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔چنانچہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام نے تجارت ہی کو اپنا ذریعہ معاش رکھا۔ایک موقع پر حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کسبِ معاش کا بہترین اور باعثِ برکت ذریعہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ [4]

"انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور بیع مبرور (بہترین ذرائع معاش ہے)۔"

بہترین تجارت یا پیشہ وہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے محنت کرنی پڑے یا پھر ایسی تجارت جس میں امانت دیانت کی روح کار فرما ہو۔تاہم تجارت ایسا ذریعۂ معاش ہے جس میں دنیا ہی مدِ نظر نہیں ہونی چاہیے، بلکہ آخرت کی فلاح بھی مطلوب ہو۔اس لیے یہ عین شریعت کے اصولوں کے تابع ہونی چاہیے۔

ارتقائے معاشرہ میں معیشت کا کردار

معاشرے کی بقاءاور سالمیت میں معیشت بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بالخصوص آج کے ترقی یافتہ دور میں ترقی کا معیار صرف اور صرف معیشت رہ گیا ہے۔البتہ اسلام نے بھی معاشی حالات کی بہتری کی جانب ہمیشہ سے اپنی توجہ مرکوز رکھی ہے۔اور بنیادی ضروریات کی دستیابی سے لے کر سماجی معاملات کی اصلاح تک باقاعدہ اہتمام کیا ہے۔ عہدِ نبوی میں غزوات میں حاصل ہونیوالے غنائم سے قبل مسلمانوں کی معاشرتی حالت اور بدر کے بعد سے 10 ہجری تک کی سماجی حالت میں فرق کسی بھی صاحبِ علم سے ڈھکا چھپا نہیں۔مالِ غنیمت کسی اُمت کے لیے حلال نہ تھا،اس اُمت کے لیے اِسے حلال کیا گیا۔جس میں زرعی اراضی،اسلحہ،سامانِ حرب،مال مویشی،غلام،کنیزیں،جواہرات اور دیگر اسباب نے آئندہ آنیوالے غزوات و سرایا میں شمولیت کو آسان تر اور مضبوط تر بھی بنایا اور مجاہدین کی انفرادی،خانگی اور سماجی زندگی پر بڑا اثر ڈالا۔جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا مجاہدین کے لیے باقاعدہ حصے،وظائف اور تنخواہوں کا ایک ضابطہ مقرر کر دیا گیا۔عہدِ فاروقی،عہدِ عثمانی،عہدِ امیر معاویہ اور عہدِ بنوعباس میں ارتقائے معاشرہ کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب معیشت کی بہتری کو کہا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر حسن ابراہیم نے اپنی تالیف ''تاریخِ اسلام'' میں دورِ عباسیہ کی اقتصادی حالت کو زراعت،صناعت اور تجارت کی مباحث میں جداگانہ،تینتیس صفحات میں بالتفصیل ذکر کرتے ہوئے اہلِ اسلام کی بہتر معاشی حالت،اسکے اسباب اور ریاست پر اس سے ہونیوالے مثبت اثرات کو ضمناً ذکر کیا ہے۔مجمع البحرین میں ہے:

''إنَّ اللهَ يحبُّ المؤمنَ المحترفَ''[5]

''بے شک اللہ پیشہ ور مومن کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا کسی فن میں ماہر اور پیشہ جاننے والے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا،خود اپنے ضمن میں معیشت کے ارتقاء کی علامت ہے۔اور بلاشبہ یہ بات اسلام میں اس کی ضرورت وافادیت کو بھی واشگاف کر رہی ہے۔علامہ ہیثمی صحابہ کرام کے معمول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّجِرُوْنَ إِلَى الشَّامِ''[6]

''کہ نبی پاک ﷺ کے صحابہ شام کے سمندری سفر کی جانب تجارت کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے''۔

حجاز کا سامانِ تجارت شام کی جانب اور شام سے سامانِ ضرورت حجاز کی طرف لانے لے جانے میں مہینوں پر محیط سفر اور پھر سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا صحابہ کرام کے نزدیک اس کی افادیت پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر دو طرفہ اِس تجارت میں اہلِ اسلام نے معاشرتی اقدار کے حوالے سے جہاں نبوی پیغام کی اشاعت کے ذریعے عام کی ہونگی وہاں ساتھ انکی اپنی معاشی زندگی میں استحکام آجانا بھی ایک واضح اشارہ ہے۔

چند صفحات کے بعد اسی نوعیت کا ایک اور ارشادِ نبوی ﷺ علامہ ہیثمی نے ذکر کیا ہے:

''اِلْتَمِسُوْا الرِّزْقَ فِيْ خَبَايَا الْأَرْضِ''[7] ''کہ زمین کے اطراف میں رزق تلاش کرو۔''

سیدنا عمرؓ کے معاشی اقدامات:

تاریخِ خمیس میں آپ کی اولیات کے ضمن میں ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جن سے آپ رضی اللہ عنہ نے امورِ ریاست کو معاشی اعتبار سے مستحکم بنانے کے لیے اقدامات فرمائے۔ چنانچہ شیخ حسین لکھتے ہیں:

"وفتح الفتوح ووضع الخراج و مصرالا مصار واستقضى القضاة و دون الديون و فرض العطيه"[8]

انھوں نے فتوحات کیں، ٹیکس نافذ کیا، شہر آباد کیے، قاضی مقرر کیے، دیوان بنائے اور عطیات کا نظام مقرر کیا۔ امام جلال الدین سیوطی نے حضرت عمر کی اولیات کے تحت لکھا ہے:

"واولُ من اتخذ بيت المال"[9] ''سب سے پہلے جس نے بیت المال بنایا وہ آپ ہیں۔''

سیدنا عثمان غنیؓ کا عہدِ مبارک بھی معاشی اعتبار سے بڑا تابناک اور خوشحال دور شمار کیا جاتا ہے۔ مختلف ریاستوں کی فتوحات اور مالِ غنیمت سے خوشحالی کا جو تسلسل عہدِ فاروقی میں شروع ہوا، وہ اسی بہاؤ کے ساتھ عہدِ عثمانی میں بھی جاری رہا، بالخصوص جب یہ فتوحات خراسان، نیشاپور اور سرخس تک جا پہنچیں تو

"كثر الخراج على عثمان وأتاه المال من كل وجه حتى اتخذ له الخزائن وأدر الأرزاق ، وكان يأمر للرجل بمائة ألف بدرة ، في كل بدرة أربعة آلاف وافية"[10]

''سیدنا عثمان غنی کے دور میں ٹیکس سے حاصل شدہ مال بہت بڑھ گیا اور ہر جانب سے آپکے پاس مال آئے، یہاں تک کہ آپ نے اس کی حفاظت کے لیے باقاعدہ تجوریاں بنوائیں۔ اور آپ خاص افراد کے لیے ایک لاکھ بدرۃ کا حکم جاری کرتے، اور ایک بدرۃ میں چار ہزار اوقیہ ہوتے ہیں۔''

عہدِ بنو عباس میں بھی معاشی ترقی کے بہت سے اثرات مرتب ہوئے۔ہارون اور مامون نے اپنے اپنے عہد میں جہاں جہاں سے جو کتاب جس قیمت پر دستیاب ہو سکی منگوا کر اس کا ترجمہ کروایا۔[11]

بلا شبہ یہ علمی ترقی جہاں اہلِ علم کی علمی ضیا پاشیوں سے احاطہ ءامکاں میں آئی وہاں اس دور میں معیشت کا استحکام اور روبہ ارتقاء ہونا بھی اس کے اسباب میں سے اہم ترین سبب ہے۔ڈاکٹر طفیل ہاشمی بیان کرتے ہیں:

''عہدِ بنو عباس کے سائنس دانوں کی خدمات سے سپین کے سائنس دانوں نے استفادہ کیا اور اسلامی سائنس کو مزید ترقی دی۔''[12]

اسلامی نظامِ معیشت کی خصوصیات:

اسلام اور مذاہبِ عالم کے حصولِ دولت کا فلسفہ جداگانہ ہے۔اسلام اگرچہ اکتسابِ مال، جلبِ نفع سے نہیں روکتا، تاہم اس کی تعلیمات میں محض حصولِ دولت کبھی بھی اس کا حصہ نہیں رہا، اسلام میں معیشت بھی دین ہی ہے اور دین کا اُجلا پن مسلم اور یقینی شے ہے۔پس اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لیے بعض جگہوں پر حدود و قیود، بعض مقامات پر احتیاطی تدابیر اور کہیں حکماً ارشادات سے ہماری رہنمائی کی ہے۔ذیل میں اسلام کے نظامِ معیشت کی چند بنیادی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1-مال حرام کی سخت ممانعت:

کسبِ حلال پر قرآن نے جتنا زور دیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ۔ایسے مواقع پر قرآن کا اندازِ بیان بہت اثر انگیز ہے۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بالکل یہ نہیں فرمایا کہ دوسروں کے مال ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ بلکہ فرمایا اپنے مال کو باطل طریقوں سے مت کھاؤ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [13]

''اے ایمان والو! اپنے مال ناجائز طریقوں سے آپس میں مت کھاؤ۔''

گویا اُمت کے کسی فرد کا مال پرایا نہیں بلکہ اپنا مال ہی ہے۔اس کو ناجائز طریقوں سے اپنانا دراصل اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔اگر تم آپس میں تجارت کرو، اور تجارت میں کسی کے جذبات سے اور مجبوری سے فائدہ نہ اُٹھاو۔بلکہ آپس میں ہنسی خوشی، لین دین کیا ہو۔اس طرح نفع حاصل ہو گا اور یہ حاصل کیا گیا نفع حلال بھی ہو گا۔

2- کمزور طبقات کی معاونت کا اصول:

زمانۂ جاہلیت سے لے کر آج تک کے معاشرے میں ایک عمومی اصول کارفرما ہے کہ جو مظلوم ہے اُس کو کچل کر آگے بڑھنے کو معیوب نہیں سمجھا گیا مگر اسلامی طرزِ معیشت میں کمزور طبقات کی معاونت کا اصول متعارف کروایا گیا ہے۔ اللہ رب العزت ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ [14]

''اور نہ کھاؤ ان کے اموال اپنے مال سے ملا کر۔''

عصرِ حاضر میں بھی یتیموں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔ یا تو مال کو سلب کر لیا جاتا ہے، یا پھر اس میں ملاوٹ کر دی جاتی ہے۔ ادنی مال یتیموں کے حصے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں سے اللہ رب العزت نے منع فرمایا ہے، اور واضح کر دیا ہے کہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کی بہت سخت سزا ہے۔ اکیسویں صدی کی دنیا جس معاشی ترقی کا راگ الاپ رہی ہے مولنا وحید الدین خان اس کا پردہ چاک کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

> ''یونیسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی دو تہائی آبادی نہایت غریبی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے۔ جن ملکوں میں بظاہر بڑی خوشحالی نظر آتی ہے وہاں بھی یہ خوشحالی صرف چند دولت مند افراد کے لیے ہے نہ کہ عام آبادی کے لیے۔ امریکہ جو دنیا کا سب سے زیادہ دولتمند سمجھا جاتا ہے۔ وہاں سولہ کرُوڑ کی آبادی میں صرف 78 کرُوڑ پتی ہیں۔ اور یہی لوگ سارے ملک کی صنعت و تجارت پر قابض ہیں۔ برطانیہ کی آدھی آبادی مفلسی کی حالت میں گزار رہی ہے۔''[15]

اسی طرح حق دار کو اس کے حق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ ہر صاحبِ مال کے مال میں فقراء اور مساکین کا حق ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکٰوۃ کے ساتھ ساتھ فقراء و مساکین کا ذکر فرمایا ہے:

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ [16]

''ہر صاحبِ مال پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاندان کے فقراء و مساکین پر زکٰوۃ کے علاوہ بھی خرچ کرے۔''

اسلام نے تو ایسے افراد کی بھرپور تحسین فرمائی ہے جو اپنے حق پر دوسروں کے حق کو ترجیح دینے والے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [17]

''وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوں۔''

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو، یہ آیت مجمل ہے اس میں یہ بیان نہیں کی وہ حق کیا ہے؟ امام شافعی کے نزدیک صرف اولاد اور والدین پر خرچ کرنا واجب ہے اور بعض علماء نے کہا: کہ محارم پر بھی بقدر ضرورت خرچ کرنا واجب ہے، اس پر اتفاق ہے کہ جو رشتہ دار محارم نہیں ہیں جیسے چچازاد، ماموں زاد وغیرہ۔

''ان کا صرف یہ حق ہے کہ ان سے تعلق رکھا جائے اور ان سے ملاقات کی جائے اور ان سے حسنِ معاشرت رکھی جائے، تنگی اور خوشی میں ان سے میل جول برقرار رکھا جائے، مسکینوں اور مسافروں کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے۔ مسکینوں کو اتنا دینا واجب ہے جو ان کی اور بچوں کی خوراک کے لیے کافی ہو۔ مسافر کو اتنا دینا واجب ہے جو اس کی سفر کی اور دیگر ضروریات کے لیے کافی ہو۔''[18]

3-بے فائدہ کاموں میں خرچ کرنے کی ممانعت:

والدین کے حق کے بعد سب سے زیادہ حق رشتہ دار، قرابت داروں کا ہے۔ علماء مفکرین کے نزدیک امیر اور خوشحال پر واجب ہے کہ وہ اپنے تنگ دست قرابت داروں پر بقدر ضرورت خرچ کرے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ [19]

''اسراف اور فضول خرچی سے بچو اور بے شک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔''

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے دو احکام کی وضاحت ہوئی ہے، مالِ فئی اور مالِ غنیمت سے جو مال حاصل ہو۔ اس میں سے آپ اپنے قرابت داروں کے حقوق ادا کریں۔ اور مسافروں کو بھی عطا کریں۔

والدین کے بعد تم پر واجب ہے کہ تم باقی تمام اقارب سے بھی نیک سلوک کرو۔ اور جو زیادہ قریب ہو اس کا حق پہلے ادا کرو، پھر درجہ بدرجہ مسکینوں اور مسافروں کی اصلاح میں مال خرچ کرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے **تبذیر** کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی زمین میں بذر (بیج) کو چھینک دینا۔ پھر اس کا استعارہ ہر اُس شخص کے لیے کیا گیا جو اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہو۔

4-زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی:

مادی اشیاء کے استعمال کے بعد جب بعض اشیاء پسِ انداز رہنے کے بعد سال بھر مادی ضروریات سے بچی رہیں تو عامۃ الناس کے افادہ کے لیے مختلف اشیاء پر جداگانہ معمولی شرح سے اسلام نے کچھ واجبات مقرر فرما دیئے ہیں تاکہ محروم افرادِ معاشرہ کی ضروریات کا اہتمام باقاعدہ بنیادوں پر کیا جا سکے۔ چنانچہ بارانی زرعی پیداوار پر 10٪، جدید آبپاشی کے نظام سے سیراب شدہ زمینوں پر 5٪، سونا، چاندی، کرنسی اور کاروبار میں استعمال ہونیوالے مال پر 2.5٪ اور اگر کسی جگہ مال مویشی: اونٹ، گائے، بھینس، بکری اور انہی کی جنس کے جانور بیرونی چراگاہوں سے چارہ بغیر خریدے سال کا بیشتر حصہ چر کر پلے ہوں تو ان پر مختلف شرح سے زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کی گئی ہے۔ اسلام کے اس خصوصی نظام کے ذریعے فقر و فاقہ، افلاس، گداگری اور معیشت کی کمی کے باعث ہونیوالے متعدد جرائم پر سد باندھ دیا گیا ہے۔ تاہم فی زمانہ مذکورہ مسائل کیوجہ بھی صدقاتِ واجبہ و نفلیہ میں عدمِ ادائیگی ہے۔

ضروریات پوری کرنے سے اور خوشیوں سے محروم ہیں ان کی جھولی بھری جائے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [20]

"تاکہ سارا مال اغنیاء میں ہی گردش نہ کرتا رہے۔"

اس آیت میں اسلام کے انفرادی ملکیت کو اتنی وسعت نہیں ملی کہ کچھ محدود مالدار لوگ ہی تمام دولت اور مفادات کو اپنی طرف سرمایہ کے زور سے کھینچ لیں۔ اور مال کا چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جانا اجتماعی عدل کے خلاف ہے۔ اسلامی سوسائٹی کے اندر اجتماعی اور معاشی روابط اس طرح تشکیل پاتے ہیں کہ اس میں دولت چند محدود لوگوں ہی کے اندر گردش نہیں کرتی بلکہ حق داروں تک پہنچ جاتی ہے۔

5-میانہ روی کی تعلیم:

اسلام معیشت کے حصول میں حرام کردہ اور مشتبہ اشیاء کی جانب لپکنے سے روکنے کا سد باب یوں بھی کرتا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ شعور دیا کہ رزق تمہارا مقدر کے مطابق مل کر رہے گا، البتہ کوشش کو شرط قرار

دے دیا۔ لیکن اس کوشش میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا فلاح دارین کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں ارشادِ نبوی صلی علیہ وسلم ہے:

أَجْمِلُوا فِي طَلَبِ الدُّنْيَا فَإِنَّ كُلاًّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ [21]

"دنیا کی تلاش میں خوبصورتی (میانہ روی) اختیار کرو، کہ بلاشبہ ہر ایک کے لیے جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اُسے اس کے لیے مل کے رہنا ہے۔"

اسی باب میں امام ابن ماجہ نے ایک حدیث میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے:

فَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا [22]

"کہ کوئی بھی جان والی چیز جبتک اپنا رزق پورا نہیں کرلیتی، اُسے موت نہیں آتی۔"

تو بھلا نبی پاک ﷺ کا امتی کیوں راہِ اعتدال سے ہٹ کر فقط اس لیے حرام کا راستہ اپنالے کہ اسے رزقِ حلال میسر نہیں، یہ یقیناً اسلام کی ہی دی ہوئی تعلیم ہے جس میں معاشی ذرائع کے حصول میں افراط و تفریط کا راستہ چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ انسان محض انہی دنیاوی دھندوں میں ہی اپنی تمام تر توانائیاں نہ کھپادے بلکہ دیگر ضروری امور کی جانب بھی اس کی توجہ مرتکز رہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ ایک حد تک خود کو اکتسابِ معاش میں لگائے رکھے اور بقیہ دیگر امور میں۔

6-ملاوٹ کی ممانعت:

نبی پاک ﷺ مدینہ طیبہ کے بازار میں غلہ کے پاس سے گزرے، وہ غلہ آپ ﷺ کو بہت اچھا لگا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا جب باہر نکالا تو جو ظاہراً اچھا نظر آتا تھا، اندر سے وہ ویسا نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس اناج کے مالک کو بلوایا اور فرمایا:

لَا غِشَّ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا [23]

"کہ مسلمانوں کے درمیان ملاوٹ نام کی کوئی شے نہیں، جس نے ہمارے ساتھ ملاوٹ کا معاملہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔"

7-سود کی حرمت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ سود کو بیع (تجارت) پر قیاس کرنے والوں کی سوچ ہمیشہ سے ایک ہی رہی ہے۔ یہ کوئی نئی سوچ نہیں ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ جب ایک تاجر کا اپنے سرمایہ میں نفع لینا ناجائز کیونکر ہو سکتا ہے، یہ قیاس کرنے والوں کی ذہنی خرابی ہے ورنہ دونوں میں واضح فرق ہے۔

اگرچہ ربٰو کے حرام ہونے کا قطعی حکم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جا کر دیا گیا لیکن مکہ شریف میں ہی اس سے نفرت دلانا شروع کر دیا گیا تھا۔ قرآن کا اسلوب اور طریقِ کار یہی ہے کہ جس چیز کو حرام قرار دینا مقصود ہو تو پہلے اس سے دلوں میں نفرت پیدا کرنا شروع کی جاتی ہے۔ سود کے بارے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ مکہ میں ہی سود سے نفرت دلوں میں ڈالی گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ [24]

''اور جو تم سود پر دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ کرے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لیے دیتے ہو تو یہی لوگ (درحقیقت) اپنے مال میں اضافہ کرنے والے ہیں۔''

اسی طرح احادیث میں بھی سود کی ممانعت کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

دِرْهَمٌ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زَنْيَةً [25]

''سود کا ایک درھم جسے کوئی آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے۔ چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔''

8-لڑائی جھگڑے سے بچنے کی تاکید:

شریعت مسلمانوں کے رشتۂ اخوت کا ذکر کرتی ہے کہ تمام مومن اور مومنات آپس میں بہن بھائی ہیں۔ مسلمانوں کی باہمی محبت کی بنیاد دینِ اسلام ہے۔ دینی اخوت، نسبی اخوت سے زیادہ طاقت ور اور مضبوط ہے۔ تمام رشتے جس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان صرف مومن ہونے کے سبب سے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [26] ''بے شک تمام اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔''

اسی طرح احادیث میں بھی بیع میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت کا ذکر ملتا ہے۔

''نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّبِيْعُ أَحَدُكُمْ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ حَتّٰى يَذَرَ''[27]

''نبی پاک ﷺ نے اس بات سے روکا کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے مسلمان بھائی کی خریداری پر نہ خریدے۔ یہاں تک کہ وہ اس سودے کو چھوڑ جائے۔''

ذرائع معاش اور اسلامی ضابطۂ اخلاق

اسلامی نظامِ معیشت کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ لین دین، خرید وفروخت اور اکتسابِ مال جیسی خالص دنیاداری میں بھی ضابطۂ اخلاق کا ایک وسیع باب مہیا فرمایا ہے۔ جس نے اسلام کے نظامِ معاش کو دیگر اقوامِ عالم کے اکتسابِ زر سے کوسوں دور کرتے ہوئے اسے امتیازی شان بخشی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نظامِ اخلاق ایسا ہے بھی نہیں کہ جسے اپنا لینے سے فائدہ، اور نہ اپنانے سے نقصان نہ ہو بلکہ انہی تعلیمات کی پیروی لازم اور ضروری ہے جن کا ترک نا صرف مال واسباب میں بے برکتی کا باعث بنتا ہے۔ بلکہ کساد بازاری کا سبب بھی ہوتا ہے، سیرتِ نبوی ﷺ میں ہمیں اس ضابطۂ اخلاق کی ایک طویل فہرست ملتی ہے۔ جسے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

1-کاروباری معاملات میں صاف گوئی کی تاکید:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اشرف المخلوقات کو جن راستوں پر چلنے کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک راستہ صدق بھی ہے۔ صدق وسچائی، انبیائے کرام، بالخصوص خاتم الانبیاء ﷺ، ملائکہ، اولیاء وصلحاء اور ہر منصف مزاج اور سلیم الفطرت شخص کا درجہ بدرجہ مشترک وصف ہے۔ انسانی معاشرے کی ترقی اور امن وسکون کا ذریعہ صدق ہی ہے۔ اس لیے اسلام میں اس کو اپنانے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات میں اِس کی فضیلت اور ضرورت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

''التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ''[28]

''سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔''

ایک اور جگہ وضاحت کی گئی ہے:

''اگر معاملہ صداقت سے اور وضاحت سے کریں گے تو چیز میں برکت ہو گی، اگر عیب چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو برکت مٹادی جائے گی۔''[29]

۲-غبن سے احتراز:

ملاوٹ بھی دراصل ایک دھوکا ہے جس سے بائع اپنے مشتری سے اصل شے کی قیمت وصول کرتے ہوئے معیار سے گری ہوئی چیز بیچ رہا ہوتا ہے۔ جس میں خریدار بہر حال اپنے مال کے عمدہ ہونے کے باوجود غیر عمدہ شے لینے پر مجبور اور بسا اوقات طبّی نقصانات بھی مول لیتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''لَا غِشَّ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا''[30]

''مسلمانوں کے مابین کوئی ملاوٹ نہیں جس نے ہم سے ملاوٹ کا معاملہ کیا، وہ ہم میں سے نہیں۔''

صحیح البخاری میں ہے:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ [31]

''نبی اکرم ﷺ نے دھوکا سے منع فرمایا۔''

۳-ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:

اپنے کاروباری معاملات کی فراخی اور طلب کی بہتات کی وجہ سے گودام میں مالِ تجارت ذخیرہ کرنا بُرا نہیں۔ البتہ یہ تصور کرتے ہوئے بھاری ذخیرہ کر لیا جائے کہ قیمت بڑھے گی تو مارکیٹ میں فروخت کے لیے سامان نکالونگا، یہ ذخیرہ اندوزی کے زمرے میں آتا ہے۔ یہاں شریعت نے گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ [32] ''ذخیرہ اندوزی کرنیوالا لعنتی ہے۔''

''ملعون'' کے لفظ کی سختی، ایک ضابطۂ اخلاق پر کاربند شخص ہی جان سکتا ہے کہ جسے ایک تاجر اپنے طور پر کاروباری اُتار چڑھاؤ اور دانائی قرار دیتا ہے اس سے عام خریدار کے لیے سہولت کا پہلو پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ معاشرے کو اس ضابطے اور قرینے کے ذریعے ذہنی اور مالی کُلفت سے بچایا گیا ہے، درحقیقت وہ رحمتِ خداوندی سے دُوری ہے۔

۴-امانت کا اہتمام:

اسلام نے ہر عمل خیر کے کرنے کی ترغیب اور ہر عمل شر سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ عمل خیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مال یا سامان کسی شخص کے پاس بطور امانت رکھنا چاہے تو امین کو چاہئے کہ

اگر وہ اُس مال یا سامان کی حفاظت کر سکتا ہے تو ساری انسانیت کے نبی حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق اُس مال یا سامان کو بطور امانت رکھ کر اپنے بھائی کی مدد کرے۔ غرضیکہ شریعت اسلامیہ نے ہمیں اپنے پاس امانت رکھنے اور امانت دہندہ کے مطالبہ پر واپس کرنے کی خصوصی تعلیمات دی ہیں کیونکہ اس کے ذریعہ آپس میں میل جول، محبت اور ایک دوسرے پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے جو ایک اچھے معاشرہ کے وجود کا سبب بنتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا[33]

"یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ۔"

حضور اکرم ﷺ کے پاس صحابہ کرام حتیٰ کہ کفار مکہ بھی اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی امانت داری کو دیکھ کر نبوت سے قبل ہی آپ کو امین کے لقب سے نوازا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں، حضرت علی کو امانت دہندوں تک پہنچانے کی ذمہ داری عطا فرمائی اور مدینہ منورہ کے لئے ہجرت فرما گئے۔ حضرت علی آپ ﷺ کے بستر پر ہی سوئے تاکہ صبح حضور اکرم ﷺ کی نیابت میں ساری امانتیں لوگوں کو واپس کر دیں اور کسی شخص کو یہ شبہ بھی نہ ہو کہ نعوذ باللہ حضور اکرم ﷺ امانتیں لے کر چلے گئے۔ امانتوں کو بھی بیع سے مشابہت دی گئی ہے:

نَھٰی عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ [34] "دھوکے کی بیع سے رسول پاک ﷺ نے منع فرمایا۔"

اس حدیث کے ضمن میں شارحین نے مروجہ خرید وفروخت میں دھوکے کی مختلف صورتوں کی نشاندہی فرمائی ہے، جیسا کہ ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے یا دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی، سمندر میں پڑے ہوئے موتی، بھاگے ہوئے غلام یا دِکھائی نہ دینے والے کپڑے کو فروخت کرنا۔ عہدِ حاضر میں دھوکا دہی کی نئی نئی صورتیں بھی سامنے آرہی ہیں جس میں مجموعی طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ دِکھایا کچھ جاتا ہے اور بیچا کچھ جاتا ہے جو پھل، سبزی، گوشت کم تول اور ہیر پھیر سے لے کر سرکاری و نجی عمارات کی فروخت تک کے مراحل میں جا بجا قدم قدم پر دھوکے کی مختلف صورتیں ہیں۔

۵-مطالبہ میں نرمی:

لین دین کے معاملات میں اکثر اُدھار کی صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ایسے میں یقیناً مقروض ذہنی اور مالی طور پر دو طرفہ دباو کا شکار ہوتا ہے جبکہ ضرورت مند تو فروخت کنندہ بھی ہوتا ہے۔

اِن حالات میں کھچاو، شدت، بد کلامی اور آخر کار تنازعات یقینی ہو جایا کرتے ہیں۔اِن تمام حالات و واقعات کے جنم لینے سے پہلے ہی شریعت کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ مطالبہ میں نرمی کا برتاؤ رکھا جائے تاکہ باہمی کشید گی پیدا نہ ہونے پائے۔چنانچہ نبوی تعلیمات ہمارے لیے اس مرحلہ پر یوں رہنما ہوتی ہے:

''كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ وَ كَانَ اِذَا رَاٰى اِعْسَارَ الْمُعْسِرِ قَالَ لِفَتَاهُ: تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللهُ يَتَجَاوَزُ عَنَّا فَلَقِيَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ''[35]

''ایک آدمی لوگوں کو اُدھار دیا کرتا تھا اور جب وہ تنگدست کی تنگدستی دیکھتا تو اپنے کارندے سے کہتا کہ اِس سے در گزر کرو اُمید ہے اللہ بھی ہم سے در گزر فرمائے۔چنانچہ (وصال کے بعد جب) اللہ سے ملاقات ہوئی تو اللہ نے اُس سے (واقعی) در گزر فرما دیا۔''

مہلت اور گنجائش دینے کی اس صورت سے کام لیا جائے تو لین دین کے بہت سے معاملات میں باہمی تنازعات سے یقیناً بچنے میں بے حد مدد ملے گی۔

۶-بیع پر بیع کی ممانعت:

اسلام نے لالچ اور حرص کی ہر جگہ حوصلہ شکنی کی ہے۔معاشی معاملات میں فی زمانہ خرابیوں کا جائزہ لیا جائے تو محض ریٹ بڑھانے کی غرض سے بولی لگاتے، مال کی خریداری میں حصہ لیتے لوگ نظر آئینگے۔جہاں اس معاملے میں لالچ کا عنصر پایا جاتا ہے وہاں جھوٹ اور دھوکا بھی در آتے ہیں۔اور یوں یہ ایک مرکب گناہ بن جاتا ہے۔اسلام نے فروخت کنندہ اور خرید دار کو لین دین کے معاملے میں مستقل مزاجی کا اخلاقی ضابطہ مہیا کرتے ہوئے سودے پر سودا کرنے اور لالچ سے بچنے کا حکم دیا ہے:

''لَا يَحِلُّ لِاِمْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يَّبِيْعَ عَلٰى بَيْعٍ''[36]

''اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے انسان کے لیے اپنے بھائی کے معاملے پر خرید و فروخت کا معاملہ کرنا حلال نہیں جب تک کہ وہ خود اِسے چھوڑ نہیں دیتا۔''

اِس ضابطہِ اخلاق کے ذریعے بائع اور مشتری کو اپنے معاشی معاملہ میں اقدام کے بعد جو تحفظ دیا ہے، موجودہ دور میں بطور خاص لین دین میں اِسے سختی سے رائج العمل بنانے کی ضرورت ہے۔

۷-اشیاء کی جانچ پڑتال کے لیے مہلت اور رخصت:

اشیاء کی خرید وفروخت میں بسا اوقات کسی سے مشاورت اور حتمی رائے حاصل کرنے کے لیے یا کسی قسم کا کوئی نقص ظاہر ہونیکی صورت میں واپسی کے لیے اسلام نے تین دن کی مہلت اور گنجائش رکھی ہے۔اس مہلت اور رخصت کے اصول کو کم و بیش تمام قدیم وجدید کتب کے اندر تفصیلاً یا اختصاراً معاملات کے ابواب میں ابتدائی مبحث کے طور پر ہی ذکر کر دیا گیا ہے۔جیسا کہ کوئی شخص کسی شے کو خریدتے یا بیچتے ہوئے یہ شرط لگا دے کہ میں اسے اس وقت بیچوں یا خریدوں گا جب فلاں اس پر رضامند ہو تو اسے خیار کا نام دیا گیا ہے اس کے متعلق چناؤ کی چند روزہ مدت ذکر کی گئی ہے:

''خیار الشرط جائز فی البیع للبائع والمشتری و لهما الخیار ثلاثة ایام فما دونها''[37]

''خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کے لیے کسی شرط کا اختیار لین دین میں جائز ہے اور دونوں کو تین یا تین سے کم دنوں کا اختیار ہوگا۔(کہ اس شے کو بیچنے یا خریدنے کا حتمی فیصلہ کر لیں)۔''

اس طرح اگر ایسی اشیاء کی خریداری کی گئی جنہیں خریدار نے دیکھا نہ ہو تو دیکھنے پر شریعت نے اسے چناؤ کا اختیار دیا ہے جیسا کہ معروف کتاب شرح الوقایہ میں مذکور ہے:

''ان رضی قبل الرؤية یکون له حق الفسخ اذا رآه''[38]

''اگر وہ(خریدی جانے والی شئے کو)دیکھنے سے پہلے راضی بھی ہو گیا تھا تو(چیز سامنے آنے پر) جب دیکھی تو اسے یہ سودا ختم کر دینے کا حق حاصل ہوگا۔''

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ متعاقدین کے مابین سودا طے پا گیا، لین دین ہو گیا، مگر دھوکا اور فساد سے بچنے کے لیے ابھی دیکھ لینے پر اس کا اختیار باقی رہا، جونہی دیکھنے پہ خرید شدہ مال پسند نہ آیا تو نقصان سے بچا لیا گیا۔

لٰہذا جہاں بھی دو معاملہ طے کرنے والوں میں کسی ایک سے خیانت، بد دیانتی یا دھوکے کا اندیشہ ہو تو اس سودا بازی سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں ہی عافیت ہوگی۔پس ان امور کو اپنانے میں آج بھی فوائد و ثمرات حاصل ہونے کی قوی اُمید ہے۔

حدیثِ پاک میں عمومی خیر کے متعلق روایات میں بالفاظ متقاربہ یوں مذکور ہے:

اِذَا تَبَایَعَ الْمُتَبَایِعَانِ فَإِنْ كَانَ عَنْ خَيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ [39]

''جب دونوں معاملہ کرنیوالے لین دین کی بات کرلیں تو دونوں میں ہر ایک کو اپنے جدا ہونے تک اختیار حاصل ہوگا۔(کہ اُسی مجلس کے اندر اندر فائنل کرلیں) یا پھر یہ کہ اُنکی خرید و فروخت میں خیار کی باقاعدہ بات ہوگئی ہو تو پھر معاملہ بھی ثابت ہو جائے گا اور خیار بھی رہے گا۔''

حوالہ جات:

1 ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، **مقدمہ ابنِ خلدون**، موسسہ العلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان، س۔ن، ص:382

2 The Encyclopaedia of Britannia, U.S.A Seek, 1998

3 البقرہ198:2

4 احمد بن حنبل، ابوعبداللہ شیبانی (164۔241ھ/780۔855ء)۔**المسند**، المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان ص۔5729، ج:6

5 الھیثمی نور الدین الحافظ، **مجمع البحرین فی زوائد المعجمین**، مکتبہ الرشد الریاض، 1992م، الجزء الثالث، ص:340، حدیث:1923

6 ایضاً، ص:341

7 ایضاً، ص:343، حدیث:1928

8 دیار بکری، حسین بن محمد الشیخ، **تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس**، موسسہ شعبان للنشر والتوزیع، بیروت، س۔ن، الجزء الثانی، ص:241

9 السیوطی، عبدالرحمٰن جلال الدین، **تاریخ الخلفاء**، نور محمد کارخانہ کتب آرام باغ کراچی، س۔ن، ص:136

10 ایضاً، ص:155۔156

11 ابنِ ندیم، محمد بن اسحاق، **الفہرست**، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، 1978م، ص:339

12 ہاشمی محمد طفیل، ڈاکٹر، **مسلمانوں کے سائنسی کارنامے**، اسامہ پبلی کیشنز، اسلام آباد، 1988، ص:81

13 النساء29:4

14 النساء2:4

15 خان وحیدالدین، مولٰنا، **سوشلزم اور اسلام**، **تاریخ تجزیہ تقابل**، المکتبہ الاشرفیہ، لاہور، 1985ء، ص:174

---

16 بنی اسرائیل26:17

17 الحشر9:59

18 رازی، فخر الدین، امام، **تفسیر کبیر**، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج:7، ص:328

19 بنی اسرائیل26،27:17

20 الحشر7:59

21 ابنِ ماجہ، محمد بن یزید الحافظ، **سنن ابنِ ماجہ**، دار احیاء التراث العربی، سن ندارد، الجزاء الثانی، ص:725، حدیث نمبر:2142

22 ایضاً، حدیث نمبر:2144

23 الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن الامام، **سُنن الدارمی**، نشر السنۃ ملتان باکستان، باب: فی التاجر الصدوق، الجزاء الثانی، ص:163

24 الروم39:30

25 الدارقطنی، علی بن عمر الام، **سُنن الدارقطنی**، دار المحاسن الطباعۃ القاھرۃ، 1966م، الجزاء الثالث، ص:16

26 الحجرات10:49

27 الدارمی، جلد:3، ص:11

28 الدارمی، عبد اللہ الرحمن الامام، **سُنن الدارمی**، نشر السنۃ ملتان باکستان، باب: فی التاجر الصدوق، الجزاء الثانی، ص:163

29 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، باب: مایحق الکذب والکتمان فی البیع، جلد:2، ص:833، حدیث نمبر:1894 الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن الامام، سُنن الدارمی، نشر السنۃ ملتان باکستان، الجزاء الثانی، ص:11

30 الدارمی، عبد اللہ بن الرحمن الامام، **سُنن الدارمی**، قدیمی کُتب خانہ آرام باغ، کراچی، سن ندارد، ج:2، ص:323، حدیث نمبر:2541

31 البخاری، محمد بن اسماعیل الامام، **صحیح البخاری**، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، 1990م، ج:2، ص:753، حدیث نمبر:2135

32 الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن الامام، **سُنن الدارمی**، نشر السنۃ ملتان باکستان، جلد:2، ص:324، حدیث نمبر:2544

33 النساء58:4

34 ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث الامام، **سُنن ابی داؤد**، دار الحدیث، بیروت، لبنان، 1971م، الجزء الثالث، ص:672، حدیث:3376

35 البیہقی، احمد بن الحسین علی بن موسی البیہقی ابو بکر، **السنن الکبری**، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، جلد:4، ص:60

36 الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الامام، **سُنن الدارمی**، نشر السنۃ ملتان باکستان، جلد:2، ص:326، حدیث نمبر:2550

37 المیدانی، عبد الغنی الغنیمی الشیخ، **اللباب فی شرح الکتاب**، قدیمی کُتب خانہ کراچی، س۔ن، ص:202

38 عبد الاحد محمد الحافظ، **شرح الوقایہ**، مکتبہ رحمانیہ، لاھور، 1326ھ، جلد:2، ص:27

39 النسائی، احمد بن شیعب ابو عبد الرحمٰن الامام، **السُنن الکبری**، دار الکتن العلمیہ، بیروت، لبنان، 1991ء، الجزء الرابع، ص:7